ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (May to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلّہ

عظمیٰ نورین

لیکچرار شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ ۔

ڈاکٹر نازیہ یونس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نمل اسلام آباد ۔

فلیش بیک تکنیک: تعارف و تجزیہ

Uzma Noreen
Lecturer G.C Women University Sialkot.
Dr. Nazia Younis
Assistant Professor Urdu Department, National University of Modern Languages Islamabad.

Flashback Technique: Introduction and Analysis

The term Flashback is widely used today in literature as well as in politics, literature, religion, culture, history and the media. Flashback is a piece of writing that tells a story, Flashback is an essential part of fiction. Under the influence of Flashback, characters, scenes, dialogues and other elements of the story are formed. Narrative is actually a fictional paradigm. An important element of Flashback is the narrator. Flashback is a technique that is a confluence of any writer's thinking. In it, the writer collects past events and presents them to the readers. During this, the writer also brings out the techniques of comparison and contrast and, along with the foreground, his imagination passes through the past. In this way, he also compares the events that have occurred in the past and the present. In short, this force can be felt in the form of "flashback" or "flash forward" forward". In this, the writer also uses the technical and intellectual qualities of language.

Key Words: *Flashback", politics, religion, literature, culture, history, media, "Flash forward.*

فلیش بیک Flashback Technique ایک بیانیہ تکنیک ہے، جس میں مصنف یا روای موجودہ واقعات کے تسلسل کو روک کر ماضی کے کسی واقعے یا منظر کو پیش کرتا ہے، تاکہ قاری یا ناظر کو کرداروں کے ماضی،

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (May to June 2022)

ان کے جذبات یا کسی واقعے کے پس منظر کے بارے میں گہری سمجھ حاصل ہو۔ غرض یہ کہ فلیش بیک تکنیک کسی مصنف کے ماضی اور حال کا سنگم ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں مصنف حال کے واقعات کو ماضی کے کسی واقعے سے جوڑتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ موازنہ اور تقابل جیسے حربے بھی استعمال میں لاتا ہے۔ اس دوران وہ کبھی ماضی اور کبھی حال کی طرف چھلانگ مار کر واقعات کا تجزیہ کر کے قارئین کے ذہن کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا رہتا ہے۔ ماضی اور حال کے واقعات کے درمیان ربط کا رشتہ ایسے جوڑتا ہے جیسے یہ واقعات اُسی پرانے واقعات کا تسلسل ہوں۔ اس کی سادہ تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ فلیش بیک وہ اندازِ بیان ہے جس میں کہانی یا واقعات کے دوران اچانک ماضی کی طرف لوٹ کر کوئی واقعہ سنایا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

> "کسی ناول یا افسانے میں واقعات بیان کرتے ہوئے مرکزی کردار اپنے بچپن یا کسی پرانے حادثے کی تفصیل بیان کرے تو فلیش بیک ہے۔ ادب یا فلم میں کہانی میں جذباتیت یا گہرائی پیدا کرنے کے لیے اس تکنیک کا استعمال کیا جاتا ہے۔"(۱)

فلیش بیک تکنیک کا استعمال وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی تحریروں میں تنوع اور بوقلمونی ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر کسی کو تحریر کی یہ خصوصیات کسی ادیب کی تحریر کو تکرار سے بچاتی ہیں۔ اس لیے اُس کے اسلوب میں جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔ نئی معلومات سے اُس ادیب کا اندازِ تحریر دلچسپ کیا جاتا ہے۔ اوپر سے ماضی کا چسکا تو ویسے بھی قارئین کو زیادہ محظوظ کراتا ہے۔ کیوں کہ انسان ہمیشہ سے ماضی پرست واقع ہوا ہے اور ماضی کے قصے پسند کرتا آیا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ادیب کو واقعات کی ہئیت کا طریقہ آتا ہو اور وہ واقعات کو فلیش بیک کے انداز میں بیان کرنے پر قادر ہو۔ اس کا اندازِ بیان دلچسپ ہو بلکہ اس کے انداز میں خاص قسم کی دل کشی ہو۔ اس کی زندگی کی حقیقتیں دیکھی ہوئی ہوں۔ اس کا تجربہ اور مشاہدہ دلچسپ ہو۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کی ترسیل اور ابلاغ کے حوالے سے متنوع خصوصیات کا حامل ہو۔ اس کے تجربات وسیع ہوں۔ ان میں رنگا رنگی ہو ساتھ ساتھ وہ ماضی کے واقعات بیان کرنے پر قادر ہو۔ غرض یہ کہ وہ ہر فن مولا ہو۔

انسانی ذہن واقعات اور حالات کا آماجگاہ ہوتا ہے۔ اس میں خیالات و واقعات کا ایک لامتناہی سلسلہ پڑا ہوتا ہے۔ اب اگر ماضی کے واقعات کو اٹھا کر اُسے نئے جامے پہنا کر اُس کی تراش خراش کر کے نئے انداز میں پیش کرنے کا اہل ہو تب ہی وہ اچھا ادیب ہو گا۔ ماضی کے حالات اور جذبات سے حاصل کی ہوئی معلومات کا ایک ذخیرہ انسانی ذہن میں پڑا رہتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ انسانی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک سیکنڈ محفوظ ہوتا جاتا ہے۔ ان

لمحات کو وہ اپنی قوتِ متخیلہ ہی کی بدولت قارئین کے سامنے لا سکتا ہے نا۔ ان یہ قوتِ متخیلہ کا کام ہے کہ ان بکھرے ہوئے خیالات اور معلومات کو آراستہ و پیراستہ کر کے قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک صاحب ہیں اس کے بچپن کا ماضی میں کوئی پرانا واقعہ ہوا تھا۔ اب وہ اُس واقعے کو تقریباً بھول چکا ہے مگر جیسے ہی حال یا موجودہ زمانے میں کوئی ایسا واقعہ اُس کے سامنے آجاتا ہے تو اسی کے ذہن میں وہ پرانا واقعہ یا حادثہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ تازہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ واقعے نے پرانے حادثے کو زندہ کیا۔ اب یہ اُس صاحب یا ادیب کی قوتِ متخیلہ کا کمال ہے کہ وہ ان دونوں واقعات کو اپنے تخیل کی مدد سے کیسے یک جا کرتا ہے اور ان کے درمیان سنگم یا ربط پیدا کر کے ان واقعات کو ایک دوسرے کا پیش خیمہ ثابت کرے۔ ساتھ ساتھ وہ ان واقعات کا تقابل ایسے انداز میں کر کے پرانا واقعہ بھی اپنی پوری توانائی کے ساتھ زندہ ہو جائے۔ یہ انسانی فطرت بھی ہے کہ اس کا ماضی اس کے حال کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس دنیا میں اس کا آنا ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی کا میکانکیت کو مختلف واقعات کے میکنزم کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ اپنی سوچ اور خیالات کے مطابق اپنی زندگی کی دلچسپیاں اور ترجیحات طے کرتا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے ذہن میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ اسی سے اُس کی تقدیر بنتی رہتی ہے اور اس طرح ماضی، حال اور مستقبل کے بیانیے صفحہ قرطاس پر ابھرنے لگتے ہیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہو گا کہ ہر کوئی اپنے خیالات اور توقعات کے مطابق زندگی کی ترجیحات طے کرتا ہے۔ یعنی جیسی روح ویسے فرشتے۔ ہر کسی کے خیالات دوسروں سے یکسر الگ تھلگ اور جدا ہوتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے کوئی بندہ زندگی ترجیحات کے مطابق زندگی کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے ویسے ویسے اس کے ذہن میں ماضی کے واقعات اپنا رنگ دکھانے لگتے ہیں۔ اس کے مطابق ان خیالات و واقعات کے چناؤ سے اس کی زندگی اپنی ترجیحات طے کرتی ہے۔ پھر تخیل کی مدد سے یا طاقت کے ذریعے سے وہ خیالات اس کے سامنے آجاتے ہیں تو اس کے ماضی میں بھی اس کے ساتھ جڑے ہوئے واقعات اس کے ذہن سے نکل کر باہر آنا شروع ہوتا ہے۔ اب جب وہ ان واقعات پر سوچتا ہے تو سوچتے سوچتے اس کے سامنے نئی اور انوکھی باتیں سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں اور اُسے یقین ہی نہیں آتا کہ کیا یہ خیالات واقعی میرے ذہن کے ہیں؟ ایسا ہو جاتا ہے کہ ایسے مشاہدات و جذبات پہلے سے اس کے ذہن میں موجود تھے مگر اُس نے اس حوالے سے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ مشاہدات اور تجربات اس کے ماضی کی معلومات تو ایک خاص ترتیب سے تحت الشعور میں رکھتے ہیں۔ یہ ایک فطری انسانی قوت ہے جسے تخیل کہتے ہیں جس کی مدد سے وہ اپنی مرضی سے وقت اور ضرورت کے مطابق ان معلومات سے ایک نیا اور اچھوتا خیال پیدا ہو کر ایک

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (May to June 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

نئی ترتیب کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ انسانی ذہن مختلف اور متضاد خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ایسے خیالات و جذبات ان کے متنوع اعضا مثلاً قوتِ سماعت، قوت گویائی، قوتِ بصارت، قوتِ تحرک، خواہش، خواب آوری اور حسن لطافت کے ذریعے سے ان کی خصوصیات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ یک جا کر کے تخیل ارادے اور تفہیم کو توازن کی صورت عطا کر کے صفحہ قرطاس پر ابھار دیتے ہیں اسی سے تحریر بنتی ہے اور اس سے نیا پن اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم کے الفاظ یہ ہیں:

> "تخیل کی جولاں گاہ بہت وسیع ہے۔ اس کی مدد سے ماضی اور مستقل کو حال میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ ایک شاعر یا نثر نگار زمانہ حال میں موجود ہوتا ہے لیکن اپنے تخیل کی مدد سے گزرتے ہوئے واقعات کا ربط اس خوب صورتی سے حالیہ کیفیات سے جوڑتا ہے کہ قاری کا ذہن اس سے نہ صرف حظ اٹھاتا ہے بلکہ تاریخ کے کسی اہم واقعے سے متعلق معلومات بھی حاصل کرتا ہے۔ محمود نظامی اپنے سفر نامہ "نظر نامہ" میں مصر کے مجسموں کی تصویر کشی کرتے ہیں تو ان کا تخیل انھیں فراعین مصر کے دور میں لے جاتا ہے جہاں تکبر اور غرور کے پتلے اپنے آپ کو خدا سمجھ کر مخلوقِ خدا کا استحصال کرتے رہے۔ تخیل کی مدد سے تصورات کو حقیقت میں بدلا جا سکتا ہے۔ ایسی مجرد اشیا اور اجسام جن کی مادی حقیقت نہیں ہے اُن کا دیکھا جانا ممکن نہیں۔ تخیل کی مدد سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ تخیل نہ صرف خود اُن مشاہدات کی از سرِ نو ترتیب کرتی ہے بلکہ نقطہ حال پر ماضی اور مستقبل کو سمیٹی ہے اور تصورات کو تجسیمی شکل دیتی ہے۔"(۲)

الغرض انسانی ذہن مختلف خیالات و تصورات کو اپنے تخیل کی مدد سے ایک ترتیب دیتا ہے اور اس طرح جب یہ احساسات یک جا ہو جاتے ہیں تو ان سے تخیل بنتا ہے۔ اس تخیل کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے جیسے مذکورہ بالا پیراگراف میں محمود نظامی کے سفر نامے "نظر نامہ" میں مصنف نے فرعون کے وقت کے حالات کو پس منظر کے طور پر اپنے موجودہ سفر کے ساتھ یک جا کیا ہے اور اس طرح اس پورے سفر نامے میں یہی حال ہے۔ غرض یہ سفر نامہ فلیش بیک تکنیک کے حوالے سے ایک خاصے کی چیز بن گیا ہے۔ مصنف جب طاقت ور تخیل ان واقعات کو حال اور ماضی کے ساتھ جوڑا ان کا ماہرانہ تقابل کر کے قارئین و ناظرین کے سامنے ایسے طریقے سے پیش کرتا ہے کہ واہ واہ۔ اس حوالے سے اشفاق احمد ورک بھی لکھتے ہیں:

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (May to June 2022)

"ہمارے بعض سفر نامہ نگاروں نے اپنے سفری تاثرات کو باقاعدہ افسانوی انداز میں پیش کرنے کی بھی سعی کی ہے اور شعری روداد کو کہانی پن سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر تخیل اور فلیش بیک کا سہارا لیا ہے۔"(۳)

مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفر نامہ نگار کے ہاں فلیش بیک تکنیک کا استعمال اس سفر نامے کے ذکر کو خوب صورتی عطا کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے تجربات و مشاہدات کی آنچ پر اسے گرم کر کے اپنے داخلی تاثرات کی بھٹی میں پکا کر قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ زبان و بیان کی بھی خوبیاں اور تخیل کی جولانیاں شامل کر کے اپنے سفر نامے کو سامنے لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سفر نامہ نگاروں نے فلیش بیک کی تکنیک کا سہارا لیا ہے۔ جو قاری کو تخیل کی مدد سے افسانوی ادب کے ذائقے سے آشنا کرا دیتا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ قاری ماضی کی طرف چھلانگ لگا دیتا ہے بلکہ حال سے بھی پوری طرح آشنا ہو کر جاتا ہے۔ بیانیہ اسلوب اس تکنیک کے لیے از حد ضروری ہے کیوں کہ اس سے

سفر نامے کی داخلی خوبیاں سامنے آتی ہیں۔ دیگر یہ کہ سفر نامہ بوجھل اور پھیکے اسلوب سے نکل کر افسانوی رنگ کی رنگینیاں سمیٹ لیتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ابلاغ بھی ممکن ہو پاتا ہے اور اس طرح بیانیہ سے وسعت اور آہنگ سے مزین ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے نفیسہ حق لکھتی ہیں:

"سفر نامے کے لیے ایک ایسے بیانیہ اسلوب کی ضرورت ہوتی ہے جو مسافر سیاح کو دیکھتے ہیں۔ مناظر، مشاہدات و تجربات اور قلبی واردات کو پورے ابلاغی آہنگ میں پیش کر سکے۔"(۴)

اس طرح اس سے سفر نامے میں نیا پن اور نئی تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ دیگر یہ کہ اس سے ایک غیر افسانوی صنف میں افسانوی رنگینی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ دنی چابک دستی سے حال کو ماضی کے ساتھ ملا کر فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے سے اُس میں شگفتگی اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں سفر نامہ اعلیٰ تخلیقی فن پارہ بن جاتا ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس بھی قابلِ غور ہے:

"جدید سفر نامہ نگار نے بالعموم ذات اور ماحول کی دوری کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ منظر کی اُن جزئیات کو سمیٹتا ہے جن پر مسافر کی نظر نہیں پڑتی لیکن سیاح کی نظر پڑتی ہے تو اس منظر کی روح کو اپنے بدن میں اُتارے بغیر آگے نہیں بڑھتی ہے۔"(۵)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (May to June 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

فلیش بیک کی تکنیک کا استعمال فلم، ڈراما، ناول، افسانہ اور سفر نامہ میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے اُن اصناف میں مصنف ذاتی سوچوں سے منسلک ماضی کے اہداف کے حوالہ سے اپنے حال کو معطر کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ ان اصناف کی خوبیاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح ان اصناف میں اس ڈرامائی ترکیب اور تخیل کی آمیزش سے ایسی فضا تخلیق ہو جاتی ہے جو زندگی کی تہہ در تہہ حقائق کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ محمد خالد اختر کے ایک سفر نامے میں فلیش بیک کے حوالے سے دریائے سندھ کی تاریخ کو جوشیلے پٹھانوں کی تاریخ کی طرف لے جاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دریائے سندھ نیچے چٹانوں میں بل کھاتا ہوا اور شہر اپنے پتھریلے مکانوں کے ساتھ ایک چٹان پر بنا ہوا اپنی کیورس نے اس کے قلعے کی طرف۔ زمین اب قدرے سیاہی مائل تھی اور میرا خیال ہے کہ زرخیز ہو گی۔ گاؤں بہت سے تھے۔ ہمیشہ ڈھلانوں پر اڈتے ہوئے۔ ان کے کوچے چوڑے اور کھلے تھے۔ ہر ایک بیچ میں چار برجوں کا مٹیالہ قلعہ تھا۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے۔ یہ اُس بہادر جنگجو قوم کی سر زمین تھی جس کی تاریخ قبائلی خون ریزیوں اور اپنی آزادی کے لیے لڑائیوں سے پُر تھی۔۔۔ مضطرب پٹھانوں کی سر زمین جن کے مزاج ہلکے سے۔ سبک سے حملے سے بھی بھڑک اٹھتے اور وہ برافروختہ ہو جاتے تھے۔ کئی سو برس سے قبائلی احساس اور غرور ان میں زندہ تھا۔ اس غرور نے ان کے بہادر بے پرواکردار کی تشکیل کی تھی۔ یہ قبائلی اب بھی مردانہ تھا۔ اور پرانی عداوتوں کو قبیلوں نے ابھی بھلایا نہ تھا۔"(۶)

خالد اختر کو پٹھانوں کی ابدی غیرت مندی اور جفاکشی کے حوالے سے مکمل معلومات حاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سندھ کی وادی میں بسنے والے پٹھانوں کی عداوتوں اور دشمنیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ انھیں پتا ہے کہ پٹھانوں کا مزاج مضطربانہ ہوتا ہے اور وہ چھوٹی سی بات پر بھی بھڑک اٹھتے ہیں اور مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ پھر یہ اتنے جذباتی ہوتے ہیں کہ نتائج کی پرواکیے بغیر دشمنی پر اتر آتے ہیں۔ ان کی جذباتیت اور خون کی گرمی انھیں کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ ساتھ ساتھ یہ لوگ انتہائی کھلے اور صاف دل کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں منافقت نام کو بھی نہیں ہوتی۔ اسی لیے جس کے ساتھ دوستی ہو کھل کر دوست بن جاتے ہیں اور جس کے ساتھ عداوت ہو قیامت تک اُس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ان کی ایک اور بڑی خامی یہ بھی ہے کہ یہ آپس میں بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ پڑتے ہیں اور بعض اوقات ان کی ذاتی عداوتیں نسلوں تک کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ ان کی سوچ بس اسی پر ہوتی ہے کہ میں حق پر ہوں۔ زمینوں کے جھگڑے ان کے ہاں ہر وقت چلتے رہتے ہیں اور اتنے سادہ اور جذباتی پن کا مظاہرہ

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (May to June 2022)

کرتے ہیں کہ ایک کنال زمین (جس کی قیمت بمشکل ہی دو لاکھ روپے) ہو گی کے لیے قتل اور خون ریزی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ بہر حال خالد اختر نے ان پٹھانوں کی جنگجویانہ تاریخ کے حوالے سے خاصی محنت کی ہے اور ان کی خون ریز تاریخ کا سندھ کے باسیوں کے ساتھ تقابل کر کے اپنے سفر نامہ میں فلیش بیک کی تکنیک کا بخوبی استعمال کیا ہے۔ ان کے حوالے سے وحید الرحمان خان کے الفاظ یہ ہیں:

> "خالد کا ذہن افسانوی ہے۔ چنانچہ حکایت اگر لذیذ ہو تو اسے دراز کرنے اور طول دینے میں انھیں لطف آتا ہے۔ سواتی مہم میں بھی افسانی طرازی کا عنصر موجود ہے۔ گو یہ افسانویت سفر نامے پر غالب نہیں آتی لیکن اس کے بیانیہ انداز اور واقعاتی مزاج کو قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ ایک مقام پر تو وہ باقاعدہ جاسوسی ناول کا سا انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ جب سرحد کی پولیس ایک پولیٹیکل ایجنٹ کے محمد خالد نامی مہمان کے گمان میں دیدہ و دل فرش راہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔"(۷)

ابنِ انشا اردو سفر نامہ نگاری میں ایک اہم اور منفرد نام ہے۔ انھوں نے نظم و نثر دونوں میں طبع آزمائی کی اور ہر جگہ اپنی انفرادیت کے جھنڈے گاڑھے۔ ان کی نثر کی سات کتابیں ہیں جن میں پانچ سفر نامے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعری کے بھی دو مجموعے ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں پہلا "چلتے ہو تو چین کو چلیئے" ہے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے مزاحیہ انداز میں اپنے سفر کا حال پاکستانی معاشرے کی کجیوں اور کوتاہیوں کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ یہاں اُن کے سفرنامے کے ایک اقتباس پر اپنی بحث ختم کرتے ہیں:

> "پچھلے سال کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک عزیز دوست ہمارے ہاں تشریف لائے۔ فرمانے لگے میں چین جا رہا ہوں۔ یہاں تو اگر نماز نہ پڑھوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ اسلامی ملک ہے لیکن دوسرے دیس میں جا کر تو باقاعدہ نماز پڑھنی چاہیئے ورنہ وہ لوگ جانے کیا خیال کریں اور پھر لوگ کیمونسٹ ہیں بالکل ہی خدا کو بھول گئے ہیں۔ مجھے تو اسلام سے ایسا بھی بیگانہ نہ سمجھو۔ پولیس کورس بھی جاتا ہوں تو میرے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے اور کسی گھوڑے پر داؤ لگانے سے پہلے ایک بزرگ سے فال ضرور لیتا ہوں۔ پینا پلانا تو تم جانتے ہو۔ ایک زمانے سے کم کر رکھا ہے۔ اب اس سے زیادہ تو اس عمر میں ہوتا نہیں۔۔۔۔ روام بوائے سے میں نے نو بجے ہی کہہ دیا تھا کہ کھانا کھا چکے۔ چائے پی چکے۔ اب ہم آرام کریں

گے تم بھی آرام کرو۔ پھر بھی دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھ چکا ہے اور کوئی خدمت؟ کابل کے ہوٹل کا روم بوائے تو ایسا استغنا کا مارا ہوا تھا کہ آواز دینے پر بھی نہ آیا تھا۔ اُس نے پوچھ لیا تھا کہ صاحب کب اور کس روز جائے گا۔ بس اُس روز وقت نکال کے بخشش لینے ضرور آگیا تھا۔"(۸)

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، مقدمہ، عجائباتِ فرہنگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۲

۲۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، ابراہیم جلیسی: ایک مطالعہ، حمید پبلی کیشنز۔ لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۹۳۸

۳۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو ادب میں طنز و مزاح، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۵۷

۴۔ ڈاکٹر نفیسہ حق، سفر نامہ، حق و جواز، مشمولہ الزبیر (سہ ماہی) سفر نامہ نمبر، بہاول پور اردو اکادمی، بہاولپور، ۱۹۹۹ء، ص ۶۶

۵۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکادمی، لاہور، س۔ن، ص ۶۶

۶۔ محمد خالد اختر، دو سفر، مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۲۳

۷۔ وحید الرحمان، نقد سفر، بک ہوم، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۴

۸۔ ابن انشا، دنیا گول ہے، پاک پبلشرز، کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۸